رضوان اللہ

بعد از موت

زندگی اور موت، ان دونوں کی حقیقت کیا ہے؟ اس سوال کا جواب ہر کوئی اپنے اپنے انداز اور علم و تجربہ سے دیتا ہے۔ عام لوگوں کے نزدیک اگر کوئی انسان اُٹھتا بیٹھتا، چلتا پھرتا، کھاتا پیتا، دوسروں کی سنتا اور اپنی سناتا ہے، یا دوسرے لفظوں میں، جب تک اس میں ذرا سی بھی حرکت محسوس ہوتی ہو، وہ زندوں میں شمار ہوتا ہے۔ اور یہ جان لینے کے بعد کہ زندگی کیا ہے، موت کو جان لینا اب ان کے لیے کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ زندگی اور موت، باہم متضاد صفات ہیں، ان میں سے ایک کو سمجھ لیا جائے تو دوسری خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ جیسے روشنی اور اندھیرے کی مثال میں ہم دیکھتے ہیں کہ روشنی کو جان لینے کے بعد اندھیرے کو آسانی سے جان لیا جا سکتا ہے کہ اندھیرا کچھ بھی نہیں، محض روشنی کا نہ ہونا ہے۔ چنانچہ زندگی اگر حرکت کا نام ہے تو پھر موت بھی ان لوگوں کے ہاں بس جمود ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

بعض حضرات کے نزدیک ان حرکات و سکنات سے قطع نظر، دماغی حیات اصل زندگی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انسان کا دماغ جب تک شعوری کیفیت میں ہوتا اور سمجھ بوجھ کا عمل کرتا رہتا ہے، اس وقت تک وہ زندہ ہے۔ جب تمام شعوری احساسات ختم ہو جائیں، اُس وقت اس کے جسم کی حالت کیسی ہی کیوں نہ ہو، وہ حقیقت میں مردہ ہی ہے۔ ایسے شخص پر زندگی کے تمام حکم ساقط ہو جاتے اور اس کی اپنی ہر بات بھی معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔

کچھ لوگ ایسے شخص کو بھی کہ جس کی دماغی موت کا اعلان ہو چکا ہو، اس وقت تک زندہ جانتے ہیں جب تک دل دھڑک کر اور پھیپھڑے سکڑ پھیل کر اپنی ہستی کا احساس دلاتے رہیں۔ ان کے نزدیک جب دھڑکنیں تھم جائیں اور

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

سانسیں رک جائیں، تب جا کر زندگی ختم اور اس کا مسافر عازم عدم ہوتا ہے۔

زندہ کون ہوتا ہے اور مردہ کسے کہتے ہیں، یہ جان لینے کے بعد دوسرا سوال اٹھتا ہے کہ ہر زندہ کو کیا ضرور ہی مرنا ہے؟ اس کے جواب میں ہر کوئی ایک ہی بات کرے گا کہ موت زندگی کی تلخ ہی سہی، مگر اٹل حقیقت ہے۔ ان دونوں کا رشتہ ایسا لازوال ہے کہ صدیاں بیت گئیں، مگر زندگی موت سے بے پروا ہوئی اور نہ موت نے اسے اپنے چنگل سے آزاد کیا۔ اس کش مکش میں فاتح بھی ہمیشہ موت ہی رہی۔ یعنی یہ تو بارہا ہوا کہ زندگی ہر دم بھاگتی رہی اور موت اس کے تعاقب میں رہی، یا کبھی زندگی موت کی موت بن کر اس کے مقابل میں بھی آن کھڑی ہوئی، مگر جیت بالآخر موت ہی کے حصے میں آئی۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی کی ہر داستان اس کی فتح کو بیان کرتی، موجودہ دور اسی کے تسلط کی شہادت دیتا، حتیٰ کہ مستقبل بھی اسی کی برتری کی دہائی دیتا نظر آتا ہے۔

مذکورہ بالا سطور سے دو چیزیں مزید معلوم ہوتی ہیں:

ایک یہ کہ کون زندہ ہے اور کون مردہ، یہ جاننا انسانی عقل و تجربہ اور اس کے مشاہدے ہی کی چیز ہے اور علم کے انھی ذرائع کی بنیاد پر ہمیشہ سے کسی کے جینے اور مرنے کا فیصلہ ہوتا آیا ہے۔ یہ تجربہ اور معاینہ جتنا بھی مختلف فیہ ہو جائے، بہر حال، زندہ وہی ہے جسے لوگ زندہ سمجھیں اور مردہ وہی ہے جو ان کے ہاں مردہ قرار پائے۔

دوسرے یہ کہ انسان دنیا میں جیتا ہے اور کچھ وقت گزار کر موت سے جا ملتا ہے، یہ بات جس طرح ہر شک سے بالاتر ہے، اسی طرح اسے حقیقت ماننے والے لوگ صرف وہی نہیں جو کسی نہ کسی درجے میں مذہب سے متعلق ہیں۔ کوئی مذہب پسند ہے یا مذہب بے زار، ہر کوئی اس کی ایسے ہی تصدیق کرتا ہے جیسے چمکتے سورج کا مشاہدہ کرنے والے باہم مختلف لوگ، بلاتفریق، اس کے روشن ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔

لیکن موت کو طے شدہ امر مان لینے کے بعد معاملہ اس وقت نزاع کا شکار ہو جاتا ہے، جب بات طبیعات سے اٹھ کر مافوق چلی جاتی ہے۔ یہاں دو قسم کی آرا وجود میں آتی ہیں: بعض لوگوں کے خیال میں انسان مرتا ہے اور قصہ ختم ہو جاتا ہے، مگر بعض کے نزدیک یہ موت اصل میں ایک نئے دور کی ابتدا ہے کہ جس میں اسے پھر سے زندگی دی جاتی ہے۔ موت کے بعد زندگی دیے جانے کا یہ دعویٰ، کم و بیش ہر مذہب کا متفقہ عقیدہ ہے۔ قرآن کریم میں بھی دُنیوی زندگی اور موت کا ذکر کرنے کے بعد اسے یوں بیان کیا گیا ہے:

ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ تُبۡعَثُوۡنَ. (المومنون ۲۳: ۱۶)	’’(مرنے کے بعد) پھر تم قیامت کے روز ضرور اٹھائے جاؤ گے۔‘‘

www.javedahmadghamidi.org

یہ وہ مقام ہے جہاں لامذہبیت مذہب سے جدا ہو جاتی اور بعد از موت زندگی کا شدت سے ردّ کرتی ہے۔ تاہم اس کا اس عقیدے کو ردّ کرنا، خواب و خیال سمجھنا یا پھر اسے ذہنی افیون قرار دے ڈالنا، یہ سب سمجھ میں آنے والی باتیں ہیں۔ اس لیے کہ لامذہبیت جس علم پر سو فی صد اعتماد کرتی ہے، وہ علم اپنی تمام وسعتوں کے باوجود، محض حواس کا پروردہ اور قیاس کا لے پالک ہے۔ ان میں سے حواس کی حالت تو یہ ہے کہ وہ اس بات کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے کہ مادے سے ماورا کسی شے کا احاطہ کر سکیں اور نہ عقل اتنی پرواز رکھتی ہے کہ ان سے حاصل ہوئے علم سے اوپر اٹھ کر کسی شے کا تصور کر سکے۔ چنانچہ صرف تجربوں اور اندازوں کو علم سمجھنے والوں سے یہ توقع ہرگز نہیں ہونی چاہیے کہ وہ موت کے بعد زندگی کو تسلیم کر لیں گے کہ یہ کسی اندھے سے دیکھنے اور کسی لنگڑے سے بھاگنے کی امید باندھ لینے والی بات ہو گی۔ تاہم، عقل کے پجاریوں اور حواس خمسہ کے ان قیدیوں کو کم سے کم یہ ضرور چاہیے کہ وہ انکار اور ناواقفیت کے درمیان میں حد فاصل قائم رکھیں۔ اس لیے کہ جس شے کا علم نہ ہو، اس کے وجود ہی سے ہم منکر ہو جائیں، یہ کوئی علمی رویہ نہیں۔ ماضی قریب میں بہت سی مادی چیزیں ایسی تھیں جن کے بارے ہم قطعی طور پر ناواقف تھے، حالاں کہ وہ ایک حقیقت تھیں اور باقاعدہ طور پر اپنا وجود رکھتی تھیں، ہاں، اپنی رونمائی میں جہل کے پردے سرک جانے اور لاعلمی کے اندھیرے چھٹ جانے کی وہ منتظر ضرور تھیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بہرکیف، مرنے کے بعد زندگی ہر مذہب کا بنیادی موضوع ہے اور اس کے پاس اسے ثابت کرنے کے لیے دلائل کی بھی ایک دنیا ہے۔ اس لیے کہ دین صرف محسوسات کو ماننے کا نام نہیں، یہ ان سے ماورا حقائق کو عقل اور فکر کے ذریعے سے سمجھنے اور انھیں مان لینے کا بھی داعی ہے۔ نیز ضروری نہیں کہ دلیل وہی ہوتی ہو جسے حس، مشاہدے اور تجربے کی بنیاد حاصل ہو یا جسے کھلی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا اور مَعمل میں آزمایا جا سکتا ہو، بلکہ ہر وہ بات دلیل ہو سکتی ہے جو معلوم سے غیر معلوم تک اور محسوس سے غیر محسوس تک لے جا سکتی ہو۔ مذہب کا دامن اس طرح کے دلائل سے بھرا ہوا ہے اور بعد از موت زندگی کو ثابت کرنے کے لیے وہ ان سے ہٹ کر کسی اور دلیل کا بالکل بھی محتاج نہیں۔ چنانچہ اس مقام پر مذہب اپنا مقدمہ الگ سے قائم کرتا ہے اور اس کی تائید میں بہت سے عقلی اور فطری دلائل بھی مہیا کرتا ہے۔

مذہبی دنیا اس عقیدے پر یقین کیوں رکھتی ہے، اس کے وجوہ بھی نہایت معقول ہیں:

مذہب ان تعلیمات کا داعی ہوتا ہے جو اعلیٰ اقدار یا بنیادی اخلاقیات سے پھوٹتی، منہ زور خواہشات کو لگام دیتی اور اس مقصد کے لیے جان و مال کی قربانی کا تقاضا کرتی ہیں، چنانچہ ان پر عمل کی تحریک پیدا کرنے کے لیے مذہب

کے پاس سب سے بڑا محرک یہی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ایک نئی زندگی کا اثبات کرے۔

دوسرے یہ کہ مذہبی احکام ماننے کی صورت میں مذہب کے پیرووں کو جو نقصان جانب نفس اٹھانا پڑتا ہے، اس کی تلافی کی واحد صورت بھی یہی ہے کہ انھیں نئی زندگی کی نوید دی جائے۔ اُس زندگی کی نوید کہ جو اِن کی قربانیوں کا حاصل، ان کی ریاضتوں کا ثمرہ اور ان کی تمام عزیمتوں کا صلہ ٹھیرے۔ سو اسی طرح کے دیگر وجوہ ہیں کہ تاریخ عالم کے ہر اہم مذہب میں، وہ عالمی ہو یا علاقائی، مرنے کے بعد زندگی کا عقیدہ بنیادی حیثیت کا حامل رہا ہے۔

دنیاے مذہب میں حیات بعد از موت کو بنیادی نظریہ تسلیم کر لینے کے بعد اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نظریہ کیا ہر مذہب میں ایک جیسی اساسات اور تفصیلات رکھتا ہے یا پھر دوسرے نظریات کی طرح اختلاف و انتشار کا شکار اور رطب و یابس کا ایک مجموعہ بن کر رہ گیا ہے؟ آج کے معروف اور زندہ ادیان کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اس سوال کا جواب نہایت مایوس کن ملتا ہے اور ادیان کا باہمی اختلاف اس میں بھی اپنا رنگ جما تا دکھائی دیتا ہے۔ اس کے بارے میں ایسی پُر پیچ اور اُلجھی ہوئی تعلیمات ملتی ہیں کہ کسی طالب حق کے لیے گوہر مراد کو پالینا ایسے ہی ہے جیسے گھاس کے ایک بڑے ڈھیر میں سے کوئی باریک سوئی ڈھونڈ نکالنا۔ لیکن اختلاف کی ان بھول بھلیاں سے دامن بچاتے اور فروعی چیزوں سے صرف نظر کرتے ہوئے اگر ہم اصولی طور پر دیکھیں تو اس مسئلے میں بناے اختلاف صرف ایک سوال ہے، وہ یہ کہ موت کے بعد انسان کی روح کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا اور اس پر کیا کیا احوال گزرتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ روح انسانی جسم سے علیحدہ ہو کر خدا میں ضم ہو جاتی ہے اور بعض کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ پھر جن کے ہاں ایسا نہیں ہے، ان میں سے بعض کی راے ہے کہ جسم سے الگ ہو جانے کے بعد وہ پھر کسی مادی جسم میں لوٹا دی جاتی ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ اسے جسم تو ضرور ملے گا، مگر ابھی اور اس دنیا میں نہیں، بلکہ یہ سب کچھ ایک نئی دنیا میں واقع ہوگا۔ موضوع کی اس تقسیم کو اگر مان لیا جائے تو اس ساری بحث کو ہم تین بنیادی عنوانات کے تحت پڑھ سکتے ہیں:

وصال، تناسخ اور احیا۔

ان تینوں میں سے وصال کو اس لیے خارج از بحث کیا جا سکتا ہے کہ اس کی حیثیت ایک مستقل نظریے کی نہیں، بلکہ ایک ضمنی اور جزوی، فکری انحراف کی سی ہے۔ یہ عقیدہ جہاں بھی پایا جاتا ہے، طفیلی صورت ہی میں پایا جاتا ہے اور اس لحاظ سے یہ تناسخ کا عقیدہ رکھنے والوں کے ہاں بھی ملتا ہے اور احیا کو ماننے والوں کے ہاں بھی۔ دوسرے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ کہ اس کے مطابق موت کے بعد روح اپنا جسد خاکی چھوڑ کر کسی اور سے نہیں، خود اپنے خالق سے جا ملتی ہے۔ اور اس کی دلیل ان کے پاس اگر کوئی ہے تو وہ صرف یہ کہ انسان کی روح خدا ہی کا ایک جز یا اس کا عکس ہے کہ جسے کچھ وقت کے لیے دنیا میں بھیجا گیا تھا، اس لیے ضروری ہے کہ جسم سے آزاد ہونے کے بعد یہ پھر اپنی اصل کی طرف لوٹ جائے۔ گویا اہل وصال کے نزدیک دنیا میں اصلاً کچھ بھی نہیں، صرف خدا ہے اور اسی کے ایک لازمی نتیجے کے طور پر، یہاں جو کچھ بھی ہے، وہ سب خدا ہے۔ اب مذہب جو کہ عابد اور معبود کی تقسیم کو مانتا اور اس بنیاد پر اطاعت کا حکم دیتا ہے، اسے کس طرح تسلیم کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ مان لینے کے بعد تو مذہب کی بنیاد ڈھے جاتی اور یہ اپنے وجود کی علت ہی کھو بیٹھتا ہے۔ لہٰذا، وصال کا اس قدر نامعقول ہونا، یہ بھی ایک وجہ ہے کہ ہم اس کی تفصیل سے صرف نظر کریں گے اور اپنی بحث کو صرف دو عنوانات تک محدود رکھیں گے، اور وہ یہ ہیں:

تناسخ اور اِحیا۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com